نواں پارہ

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

آٹھویں پارہ کے آخر میں حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ شروع ہوا تھا، اس قصے کا بقیہ حصہ نویں پارہ کے آغاز میں بیان کیا جا رہا ہے، جب حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کی برائیوں اور فتنہ وفساد پر روک ٹوک کی تو ان کے متکبر سرداروں نے دھمکی دی ''اے شعیب! ہم تمہیں اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ تم بھی ہمارے دین میں آجاؤ''۔ آپ نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہوسکتا، باقی تمہیں جو کچھ کرنا ہے کرلو، ہم اللہ پر توکل اور بھروسہ رکھتے ہیں۔

ان مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کے قصے بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جھٹلانے والی قوموں کے بارے میں ہماری سنت اور ہمارا دستور یہ رہا ہے کہ ہم انہیں ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں، تنگی اور تکلیف میں بھی مبتلا کرتے ہیں کہ شاید وہ ہماری طرف رجوع کریں، لیکن جب وہ نرمی یا سختی کسی بھی طریقہ سے نہیں سمجھتے تو ہم انہیں اچانک اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیتے ہیں اور انہیں خبر ہی نہیں ہوتی۔ پھر ان قصوں کے آخر میں گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم کے انکار اور استکبار پر حزین وملول نہ ہونے کی تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ''یہ بستیاں ہیں جن کے کچھ احوال ہم آپ کو سناتے ہیں، ان کے پاس ان رسول واضح نشانیاں لے کر آئے، پھر ایسا نہ ہوا کہ اس بات پر ایمان لے آتے جسے وہ پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے''۔

وہ چھ انبیاء جن کے قصے سورۂ اعراف میں بیان کئے گئے ہیں ان میں سے تفصیل کے ساتھ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے، اس لئے کہ ان کی قوم کی جہالت اقوام عالم کی جہالت سے بڑھ کر تھی اور آپ کی مخاطب قوم میں ایسا فرد بھی تھا جو خدائی کا دعوے دار تھا، آپ

کو جو معجزات عطا کئے گئے وہ بھی سابقہ انبیاء کے معجزات کے مقابلے میں زیادہ واضح تھے، خاص طور پر عصا اور ید بیضا، یہ دو ایسے معجزے تھے کہ جن کا انکار کرنے کے لئے دل کے اندھوں کو بھی خاصے تعصب اور ضد وعناد سے کام لینا پڑا ہوگا۔ فرعون اور اس کی قوم یعنی قبطیوں نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور وہ ان پر جور و جفا کے نئے نئے طریقے آزماتے رہتے تھے۔ بنی اسرائیل اس زمانے میں مصر آئے تھے جب ان کے شہر اور گاؤں شدید قحط کی لپیٹ میں آ گئے تھے، پھر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زیر سایہ یہیں آباد ہو گئے اور ان کی نسل میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ ان کا شمار مصر کی دوسری بڑی قوم میں ہونے لگا، پھر مختلف فرعونوں نے اپنے اپنے دور میں انہیں ظلم وستم کا نشانہ بنانا شروع کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو بدترین غلامی سے رہائی دلا کر ان کے اپنے وطن یعنی ارض مقدس میں لے جانا چاہتے تھے اسی لئے آپ نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ ''بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو'' (۱۰۵/۷)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے یہ دعویٰ کیا کہ میں رب العالمین کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں تو فرعون نے مذاق کے طور پر کہا ''اچھا! اگر واقعی تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ''........! آپ نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی جو دیکھتے ہی دیکھتے ایک خوفناک اژدہے کی شکل اختیار کر گئی، پھر آپ نے اپنا ہاتھ باہر نکالا، اس سے ایسا نور نکلا جس سے ارض وسما کے درمیان چکا چوند ہو گئی، بعض تفسیروں مثلاً طبری اور ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب فرعون نے لاٹھی کو سانپ بنتے ہوئے دیکھا تو ڈر کے مارے تخت سے چھلانگ لگا دی اور بھاگ کھڑا ہوا، پھر اسے یہ ڈر لاحق ہو گیا کہ کہیں لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئیں، اس لیے اس نے اپنے مشیرانِ خاص سے کہا کہ یہ ایک جادوگر ہے جو تمہارے اس ملک پر قبضہ جمانا چاہتا ہے۔ لہٰذا تم مجھے مشورہ دو کہ کیا کرنا چاہیے، انہوں نے کہا ہمارے ملک میں بڑے بڑے ماہر جادوگر ہیں، ان سب کو جمع کر لیا جائے تاکہ وہ ایک مجمعِ عام کے سامنے موسیٰ کو شکستِ فاش دیں، چنانچہ یہی کیا گیا، ایک

مخصوص میدان اور معین دن میں مصر کے ہزاروں لوگ جمع ہو گئے، ساحروں کے جادو کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا معجزہ دکھایا تو ساحرانِ مصر بے اختیار سجدے میں گر گئے اور انہوں نے ایمان قبول کرلیا، ان کے قبولِ ایمان نے فرعون کو سیخ پا کر دیا اور وہ گالم گلوچ اور دھمکیوں پر اتر آیا لیکن ان نومسلموں کے دل کی گہرائی میں ایمان کی جڑ چند لمحوں ہی میں اس قدر پیوست ہو گئی تھی کہ فرعون کی دھمکیاں ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ کر سکیں۔

فرعون اور اس کی قوم کی جانب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں مسلسل تکبر، سرکشی، انکار اور ظلم و ستم کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یکے بعد دیگرے مختلف عذابوں اور آزمائشوں میں مبتلا کر دیا۔ اللہ نے ایسا طوفان بھیجا جس سے ان کی کھیتیاں تباہ ہو گئیں، ٹڈیوں کے دل کے دل آئے جو درختوں کے پتے تک چٹ کر گئے، اس قدر چچڑیاں پیدا ہو گئیں کہ انہوں نے جمع شدہ غلے کو نا قابلِ استعمال کر دیا، مینڈکوں کی کثرت ہو گئی، بات کرنے کے لیے منہ کھولتے تو مینڈک منہ کی طرف چھلانگ لگاتے، ان کی نہروں، کنوؤں اور مٹکوں کا پانی خون میں تبدیل ہو گیا، جب کوئی عذاب آتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آہ وزاری اور عہد و قرار کرتے کہ اگر اللہ نے اس عذاب ٹل جاتا تو وہی کچھ کرنے لگتے جو پہلے کر رہے ہوتے تھے۔ پھر یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعونیوں کے عذاب سے نجات دے دی تو ہم ایمان لے آئیں گے، لیکن جب عذاب ٹل جاتا تو وہی کچھ کرنے لگتے جو پہلے کر رہے ہوتے تھے۔ پھر یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعونیوں کے عذاب سے نجات دے دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں رات کی تاریکی میں مصر سے لے کر نکل گئے، آزادی نصیب ہوئی تو دستورِ زندگی کی ضرورت محسوس ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کوہِ طور پر بلایا، وہاں آپ نے چالیس روزے رکھے، پھر آپ کو باری تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف بھی حاصل ہوا اور دستورِ زندگی کے طور پر تورات بھی عطا ہوئی، آپ علیہ السلام کی عدم

موجودگی میں سامری کے بہلانے پھسلانے پر اسرائیلیوں نے بچھڑے کی عبادت شروع کردی، آپ واپس تشریف لائے تو آپ کو ان کی مشرکانہ حرکت سے بے پناہ دکھ ہوا، اسرائیلی عجیب قوم تھے، قدم قدم پر پھسل جاتے تھے، وعدے کرتے تھے اور بھلا دیتے تھے، احکامِ الٰہیہ کا مذاق اڑاتے تھے، ان میں تاویل اور تحریف تک سے باز نہیں آتے تھے، انہیں حکم دیا گیا کہ بیت المقدس میں سر جھکا کر داخل ہونا مگر وہ سر اٹھا کر اور گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے، انہیں کہا گیا کہ ہفتے کے دن اللہ کی عبادت کے سوا کچھ نہ کرو مگر وہ حیلے بہانے سے مچھلی کا شکار کرنے لگے، ان کے سروں پر کوہِ طور اٹھا کر تورات پر عمل کا وعدہ لیا گیا مگر وہ اپنے وعدے کو نبھانے میں ناکام رہے۔ یہ تمام واقعات سورۂ اعراف میں تفصیل سے مذکور ہیں، جب بنی اسرائیل سے وعدہ لینے کا ذکر ہوا تو اسی کی مناسبت سے بارہویں رکوع میں بتایا گیا کہ عالمِ ارواح میں تمام انسانوں سے بھی اللہ کے حکموں کی تعمیل کا وعدہ لیا گیا تھا مگر اکثر انسانوں نے اس عہد کو فراموش کردیا۔

اس کے بعد سورت کے اختتام تک جو اہم مضامین مذکور ہیں وہ درجِ ذیل ہیں:

(۱) بلعم بن باعوراء کا قصہ جسے علم وشرف عطا کیا گیا تھا لیکن اس بدبخت نے اپنے علم کو دنیا کے چند سنگریزوں کے عوض فروخت کردیا۔(۷/۱۷۵-۱۷۸)

اس قصے سے ہمیں یہ عبرت حاصل ہوتی ہے کہ عمل اور اعلیٰ اخلاق کے بغیر خالی خولی علم اللہ کے ہاں کسی کام کا نہیں اسی لئے کسی عرب شاعر نے کہا ہے کہ

لو کان فی العلم من دون التقیٰ
شرف لکان اشرف خلق اللہ ابلیس

(اگر تقویٰ کے بغیر علم میں کوئی شرف کمال ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ابلیس سب سے معزز ہوتا)۔

(۲) کفار چوپاؤں کی طرح ہیں کیونکہ وہ اپنے دل ودماغ، آنکھوں اور کانوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ایمان سے محروم رہتے ہیں۔(۷/۱۷۹) جو لوگ عقل

اور دماغ کو دین کے لئے استعمال نہیں کرتے وہ دیوانے ہیں، جو آیاتِ الٰہیہ نہیں سنتے وہ اندھے ہیں اور جو انہیں نظرِ بصیرت سے نہیں دیکھتے وہ اندھے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کفار کو اس دنیا میں مہلت دیتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ انہیں اچانک پکڑ لیتا ہے۔(۱۸۲/۷) مہلت کے وقفہ کی وجہ سے بسا اوقات انسان دھوکا کھا جاتا ہے اور گناہوں پر مزید جری ہو جاتا ہے۔

(۴) قیامت کا معین علم کسی کو بھی نہیں ہے۔(۱۸۷/۷)

(۵) اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاقِ کریمانہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے فرمایا: ''آپ عفو اختیار کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کرلیں، اس مختصر آیت میں وہ اعلیٰ اخلاق آ گئے ہیں جنہیں اختیار کرنے کی اسلام دعوت دیتا ہے اور ان برے اخلاق سے بچنے کی تلقین بھی آ گئی جن سے بچنا ایک نیک انسان کے لیے ضروری ہے۔

سورۂ اعراف کی ابتداء بھی قرآن کی عظمت کے بیان سے ہوئی تھی اور اس کا اختتام بھی قرآن کی تعظیم اور ادب واحترام کے بیان پر ہوا ہے فرمایا گیا ''جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔'' جب کوئی شخص قرآن کی عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے توجہ سے سنتا ہے اور اس کی آیات میں غور وتدبر کرتا ہے تو اس کا دل متاثر ہوتا ہے، جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔

سورۃ الانفال

سورۂ انفال مدنی ہے، اس میں پچھتر آیات اور دس رکوع ہیں، دوسری مدنی سورتوں کی طرح اس میں شرعی احکام کے بیان کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ خاص طور پر ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا موضوع اس میں بہت نمایاں ہے، یہ سورت غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی جو کہ تاریخ اسلام میں ہونے والے غزوات کی بنیاد اور ابتداء تھا، اس غزوہ میں اللہ کی نصرت کا دیکھتی آنکھوں سے مشاہدہ کیا گیا اور ایک چھوٹے سے لشکر نے اپنے سے کئی گنا بڑے لشکر کو ذلت آمیز شکست سے

دوچار کیا۔اس سورت کی ابتدا مالِ غنیمت کا حکم بیان کرنے سے ہوئی ہے کیونکہ اس کی تقسیم کے بارے میں مسلمانوں میں باہم اختلاف ہوگیا تھا،اس کے بعد سچے مومنوں کی پانچ صفات بیان کی گئی ہیں یعنی اللہ کی خشیت،تلاوتِ قرآن سے ایمان کی زیادتی،رحمٰن پر توکل،نماز کی حفاظت اوراللہ کے بندوں کے ساتھ احسان۔اگلی آیات میں غزوہ بدر کی تفصیل ہے۔

سورۂ انفال کی ایک قابلِ ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو چھ بار "یاایھا الذین آمنوا" کے محبت آمیز الفاظ سے خطاب فرما کرانہیں ایسے اصول بتائے ہیں جن پر عمل پیرا ہوکر وہ میدانِ جہاد میں کامیابی کے جھنڈے گار سکتے ہیں۔پہلا خطاب آیت ۱۵ میں ہے جس میں فرمایا گیا "اے ایمان والو!جب تم میدانِ جنگ میں کافروں سے ٹکراؤ تو ان سے پیٹھ مت پھیرو۔"

دوسرا خطاب آیت ۲۰ میں ہے جس میں ہے"اے ایمان والو!اللہ اوراس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرواوراس سے سن کر اعراض نہ کرو۔"

تیسرا خطاب آیت ۲۴ میں ہے"اے ایمان والو!اللہ اوررسول کا حکم مانو جب وہ تمہیں ایسے کام کی طرف بلائیں جس میں تمہاری زندگی ہے۔"

چوتھا خطاب آیت ۲۷ میں ہے"اے ایمان والو!اللہ اوررسول سے خیانت نہ کرواورآپس کی امانتوں میں جان بوجھ کر خیانت نہ کرو"۔

پانچواں خطاب آیت ۲۹ میں ہے"اے ایمان والو!اگر تم اللہ سے ڈرتے رہوگے تو وہ تمہیں فرقان عطا کردے گا،تمہارے گناہ تم سے دور کردے گا اور تمہیں بخش دے گا اوراللہ بڑے فضل والا ہے"۔

چھٹا خطاب آیت ۴۶ میں ہے اوریہ آیت دسویں پارہ میں ہے"اے ایمان والو!جب کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہوتو ثابت قدم رہو اوراللہ کو بہت یاد کروتا کہ تم کامیاب ہوجاؤ اوراللہ اوراس کے رسول کے حکم پر چلو اورآپس میں جھگڑا نہ کرنا ورنہ تم بزدل ہوجاؤ گے اورتمہاری ہوا

اکھڑ جائے گی اور صبر سے کام لو کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔‘‘

ان آیات میں جن کے باتوں کا حکم دیا گیا ہے ان پر عمل پیرا ہو کر اور جن باتوں سے منع کیا گیا ہے ان سے باز آکر مسلمان یقیناً دنیا کی سب سے مضبوط اور طاقتور قوم بن سکتے ہیں۔ ایسی جماعت کبھی شکست سے دوچار نہیں ہو سکتی جو دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہے، جو اللہ اور رسول کے احکام کی اطاعت کرنے والی ہو، جو ایسی دعوت پر لبیک کہنے والی ہو، جس میں دلوں کی زندگی اور عزت وسعادت کا راز پوشیدہ ہو، جو نہ دین میں خیانت کرتی ہو اور نہ دنیاوی حقوق کی ادائیگی میں خیانت کا ارتکاب کرتی ہو، سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خوفِ خدا اور تقویٰ کی صفت سے متصف ہو اور آخری بات یہ ہے کہ وہ گولہ بارود کی بارش میں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی رہے، اس کا کلمہ ایک ہو، اس کی صفوں میں کامل اتحاد ہو، وہ نفسانی اور گروہی تنازعات اور اختلافات میں مبتلا نہ ہو۔ ذرا غور کیجئے جس جماعت میں یہ صفات پائی جائی وہ کبھی شکست کھا سکتی ہے؟ یقیناً وہ فتح ہی سے ہمکنار ہو گی اگر چہ اس کا مقابلہ پہاڑوں ہی سے کیوں نہ ہو۔

☆......☆......☆

پیشکش: ابوزبیر

[www_alkalam_pk@yahoo.com]